شذرۂ تعزیت بر

سانحۂ ارتحال ڈاکٹر محمد رفیع الدین

(شائع شدہ 'میثاق' دسمبر ۱۹۶۹ء)

اس دوران جو اندوہناک حادثہ پیش آیا اس سے قارئین 'میثاق' واقف ہی ہیں۔ جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب مرحوم و مغفور کی موت عام حالات میں بھی واقع ہوتی تو کم غم انگیز نہ ہوتی۔ لیکن اب جس صورت میں یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا ہے اس نے تو واقعتہً سب کے دل ہلا کر رکھ دیئے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کی رُوح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ــــ اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے! (آمین)

راقم نے آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ڈاکٹر صاحب کی تصنیف 'قرآن اور علم جدید' پڑھی تھی اور اسی وقت سے ایک حسنِ ظن ان کی ذات کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ انہی دنوں جب ان کے ایک عزیز سے جو گورنمنٹ کالج منٹگمری میں لائبریرین تھے، یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں بلکہ ذکرِ صبحگاہی کے لذّت آشنا بھی ہیں تو ان کی ذات سے ایک باقاعدہ غائبانہ عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں کراچی میں ڈاکٹر صاحب سے ایک دو بار ملاقات بھی ہوئی ــــ تاہم ان سے راقم کے براہِ راست روابط کی عمر دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مناسبتِ طبع اور وحدتِ فکر کی وجہ سے اس مختصر مدت میں بھی نہایت قریبی تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ جن کا ایک مظہر 'میثاق' کے ساتھ

؎ ڈاکٹر صاحب کا انتقال لارنس روڈ کراچی پر ایک حادثہ میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب جس رکشا میں سوار تھے اسے ایک بس نے روند ڈالا۔ نتیجۃً ڈاکٹر صاحب بھی بری طرح کچلے گئے۔ حتیٰ کہ ان کا مغز تک سڑک پر بکھر کر رہ گیا ــــ انا للہ و انا الیہ راجعون!

ڈاکٹر صاحب کا مستقل قلمی تعاون تھا۔ (اگرچہ اس پر ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعض احباب کی ناخوشی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا ـــــ ذاتی طور پر بھی راقم پر ڈاکٹر صاحب کی شفقتیں اور عنائتیں روز افزوں تھیں۔ چنانچہ اس حادثہ فاجعہ پر بہت سے احباب نے بالکل بجا طور پر راقم کو تعزیت کا حقدار گردانا ـــــ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی حیثیت کے بارے میں راقم کا کچھ عرض کرنا اپنی حدود سے تجاوز ہے ـــ پائدار علمی کاموں کی قدر بالعموم دیر ہی سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے یہاں تو زندگی میں قبول عام صرف صحافی قسم کے مصنفین کو حاصل ہوتا ہے۔ تاہم زمانہ بہترین منصف ہے۔ اور بقاءِ دوام صرف پائدار اور باوقار علمی تصانیف ہی کو حاصل ہوتا ہے اور انشاء اللہ زمانہ جلد ہی ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام و مرتبہ کو پہچان لے گا ـــــ تاہم راقم کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی اصل قدر و قیمت اور وقعت و عظمت اس اعتبار سے تھی کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور محبتِ خداوندی ان کے پورے وجود میں سرایت کئے ہوئے تھی ـــــ اور خصوصاً اس اعتبار سے ان کے دل و دماغ میں ایسی کامل ہم آہنگی پائی جاتی تھی کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ ان کا دل زیادہ مسلمان ہے یا دماغ ـــــ!! اور یہی چیز ہے جو اس دور میں بالکل عنقا ہے۔ اس لئے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی علم و ایمان کے خزانے علیحدہ علیحدہ تو مل جاتے ہیں، یکجا نظر نہیں آتے ـــــ!!

سچی خدا پرستی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت سے ایک نہایت گہرا اور نمایاں اثر مرتب طبیعت پر اس بات کا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اسلام کے شاندار مستقبل پر پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھتے تھے ـــــ اور اگرچہ پچھلے دنوں بعض ملکی حالات سے وہ بہت مضطرب رہے۔ حتیٰ کہ وقتی طور پر دل برداشتہ بھی رہے تاہم ان کے اس یقین میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی کہ مستقبل کی عالمگیر ریاست اسلام کی علا کردہ سچی خدا پرستی کی بنیاد ہی پر قائم ہوگی۔

اور راقم کی رائے میں یہی ڈاکٹر صاحب کے پورے فکر کے وہ دو مرکزی خیال ہیں جن کے گرد ان کی تمام تصانیف کا تانا بانا قائم ہے ـــــ یعنی ایک یہ کہ انسان کا صحیح نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے محبّت خداوندی اور دوسرے یہ کہ نوعِ انسانی جس سمت سفر کر رہی ہے اس کی بھی بس ایک ہی منزل ممکن ہے اور وہ ہے اسلام !!!

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف 'حکمتِ اقبال' کا انتساب' اس اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا پورا فکر سمو کر رکھ دیا ہے۔ یعنی :

"ان عاشقانِ جمالِ ذات کے نام جو مستقبل کی اس ناگزیر عالمی ریاست کا آغاز کریں گے جو اسلام کی اس حکیمانہ توجیہہ پر قائم ہوگی جس کا نام فلسفۂ خودی ہے !"

راقم کے نزدیک 'عاشقِ جمالِ ذات' کا جامہ اس دور کے معروف پڑھے لکھے لوگوں میں سب سے زیادہ جس پر راست آتا تھا وہ خود ان ہی کی ذات تھی اور ان کی وفات سے محبتِ خداوندی کی محفل کی ایک اور شمع گل ہوگئی ـــــــ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی !

ایک بات کا خیال البتہ آتا ہے کہ اتنی عظیم ہستی اور ایسی مرگِ ناگہاں۔ بلکہ کسمپرسی کی موت ماتم کی جا ہے کہ ہمارے یہاں بلیک مارکیٹیے اور سمگلر لمبی لمبی کاروں میں پھرتے ہوں اور ایسے ایسے صاحبِ کمال لوگ اس طرح رکشاؤں میں سفر کریں اور ہر طرح کے خطرات کی عین زد میں رہیں۔ بقول ذوقؔ ؎

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے   اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

لیکن پھر خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا اپنے "عاشقوں" کے ساتھ کوئی خاص ہی معاملہ ہے اور ع "شمع یہ سودائی دلسوزئ پروانہ ہے"

کے مصداق یہ شمع اب پروانوں کی دلسوزی ہی کی سودائی نہیں بلکہ ان کی کامل شکستگی کی طالب ہے کہ

"کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں"

اور "عاشقانِ جمالِ ذات" سے تو شاید "بخاک و خون غلطیدن" سے کم کسی بات پر معاملہ ہی نہیں ہوتا ! ؎

"بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن"
"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

قرآن ـــــــ معیارِ حق و باطل اور
سنت ـــــــ صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ ہے